تقریر

تقریر بابت خاندان مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

سیرت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ (المجادلہ:22)

اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور مَیں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔

یہ تین جو پسر ہیں تجھ سے ہی یہ ثمر ہیں
یہ میرے بار و بر ہیں تیرے غلام در ہیں
تو سچے وعدوں والا منکر کہاں کدھر ہیں
یہ روز کر مبارک سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان سیرت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو اولاد کی بشارت صرف اسی صورت میں دیتا ہے جبکہ ان کا صالح ہونا مقدّر ہو۔ حضرت مصلح موعودؓ کی پیدائش کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کو ایک اَور فرزند کی بشارت دی گئی جسے حضورؑ نے ”آئینہ کمالات اسلام“ میں شائع فرمایا۔ اس عربی الہام کا ترجمہ یہ ہے:
نبیوں کا چاند آئے گا اور تیرا کام تجھے حاصل ہو جائے گا۔ خدا تیرے منہ کو بشاش کرے گا اور تیرے برہان کو روشن کر دے گا اور تجھے ایک بیٹا عطا ہو گا اور فضل تجھ سے قریب کیا جائے گا۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 267 ایڈیشن 2009ء)

حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بابرکت بیٹے کی خوشخبری کے نتیجہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ 30 اپریل 1893ء میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کی ولادت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ
”پینتیسواں نشان یہ ہے کہ پہلا لڑکا محمود احمد پیدا ہونے کے بعد میرے گھر میں ایک اَور لڑکا پیدا ہونے کی خدا نے مجھے بشارت دی اور اس کا اشتہار بھی لوگوں میں شائع کیا گیا چنانچہ دوسرا لڑکا پیدا ہوا اس کا نام بشیر احمد رکھا گیا۔“

(حقیقۃ الوحی صفحہ 227)

حضرت مسیح موعودؑ نے ”کشتی نوح“ میں اپنی جماعت کو جن ہدایات پر کاربند رہنے کے لئے فرمایا ہے، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زندگی اُس تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔ آپؓ کے اندر علم اور عمل کے کمالات تھے۔ عفو و درگزر، تحمل اور برداشت، زُہد و تقویٰ، اپنوں اور بیگانوں کی خیر خواہی اور ہمدردی، شجاعت اور انتظامی قابلیت، مہمانی امور اور مشکل حالات میں ہمیشہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا، یہ وہ اخلاق عالیہ تھے جن کو ایک دنیا نے مشاہدہ کیا اور اپنی انہی صفات کی بنا پر آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے رفیق اور دست راست تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ کی شکل نورانی، قد لانبا، وجیہ چہرہ، موٹی موٹی مگر نیم وا آنکھیں، اُبھری ہوئی ناک، بھرے بھرے ہاتھ پاؤں اور جسیم و پُر وقار وجود تھا۔ لباس نہایت سادہ ہوتا۔ سفید قمیض، سفید شلوار، لمبا کھلا کوٹ اور پگڑی پہنتے تھے۔ تنگ لباس پسند نہیں فرماتے تھے۔ اوائل سے لے کر جوانی تک دیسی جوتا پہنا کرتے

تھے بعد میں گر گابی طرز کا کھلا بغیر تسموں والا بوٹ پہنتے تھے۔ خوراک بھی بہت سادہ ہوا کرتی۔ پُر تکلّف اور مرغن کھانوں کے دلدادہ نہیں تھے۔ کھمبی اور پالک گوشت شوق سے کھایا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد مشکلات کا زمانہ آیا تو صبح چائے کے ساتھ بھنے ہوئے چنے کھا کر گزارا کر لیتے۔ پھل بھی پسند فرماتے۔ خصوصاً عمدہ قسم کے آم اور کیلے آپؓ کو بہت پسند تھے۔

(حیات بشیر از عبد القادر سابق سوداگر مل صفحہ 199-201)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی آنکھیں بچپن میں خراب ہو گئیں تھیں اور یہ تکلیف آپؓ کو سات سال تک رہی۔ کئی سال تک انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ حالت اور تشویش ناک ہو گئی۔ آخر حضرت مسیح موعودؑ نے دعا کی تو حضورؑ کو الہام ہوا " بَرَّقَ طِفْلِیْ بشیر "(میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں) چنانچہ ایک ہفتہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو کامل شفا بخشی اور نہ صرف بصارت بلکہ بصیرت کی آنکھیں بھی ایسی روشن ہوئیں کہ مادی اور روحانی علوم کے دروازے آپؓ پر کھل گئے۔

(تاریخ احمدیت جلد اوّل صفحہ 478)

سامعین! جب اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو معجزانہ شفا عطا فرمائی تو آپؓ باقاعدہ طور پر تعلیم الاسلام سکول میں داخل ہوئے۔ 1910ء میں آپؓ میٹرک کے امتحان میں سکول میں اوّل آئے۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے 1912ء میں ایف اے کیا۔ آپؓ بی اے میں زیر تعلیم تھے کہ اچانک کالج چھوڑ دیا اور قادیان آکر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے قرآن و حدیث پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ محترم میر محمود احمد صاحب ناصر کی روایت ہے کہ کسی طالب علم نے اسلام یا احمدیت کے متعلق کوئی ایسا سوال کیا جس کا آپؓ فوری جواب نہ دے سکے تو اس کا آپؓ کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آپؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں قرآن پورے طور پر نہ پڑھ لوں گا کالج نہیں جاؤں گا۔ حضرت قاضی محمد اکمل صاحبؓ سے فرمایا: 'کالج تو پھر بھی مل جائے گا مگر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں، ممکن ہے کہ قرآن مجید و حدیث پڑھنے کا موقع، وہ بھی نورالدین ایسے پاک انسان سے پھر نہ مل سکے۔"

(حیات بشیر از مکرم عبد القادر سابق سوداگر مل صفحہ 61)

1914ء میں آپؓ نے بی اے اور 1916ء میں ایم اے عربی کر لیا۔ اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کی خواہش اور پیشگوئی پوری ہو گئی۔ آپؓ سے حضرت امّاں جانؓ نے بیان فرمایا تھا کہ جب تم شاید دوسری جماعت میں ہو گے کہ ایک دفعہ چارپائی پر الٹی سیدھی چھلانگیں مارتے دیکھ کر حضرت اقدسؑ نے تبسم فرمایا اور پھر فرمایا: اس کو ایم اے کرانا۔

(سیرت المہدی جلد اوّل از حضرت مرزا بشیر احمدؓ صفحہ 47)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہاں میں ایک مشہور واقعہ بیان کرنا چلوں۔ یہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی روایت ہے کہ "حضرت مرزا بشیر احمدؓ جب چھوٹے تھے تو اُن کو ایک زمانہ میں شکر کھانے کی عادت ہو گئی تھی۔ ہمیشہ حضرت اقدس علیہ السلام کے پاس پہنچتے اور ہاتھ پھیلا کر کہتے "ابا چِٹّی" حضرت صاحب تصنیف میں بھی مصروف ہوتے تو کام چھوڑ کر فوراً اُٹھتے۔ کوٹھری میں جاتے شکر نکال کر اُن کو دیتے اور پھر تصنیف میں مصروف ہو جاتے۔ تھوڑی دیر میں میاں صاحب موصوف پھر دست سوال دراز کرتے ہوئے پہنچ جاتے اور کہتے "ابا چِٹّی" (چِٹّی شکر کو کہتے کیونکہ بولنا پورا نہیں آتا تھا اور مراد یہ تھی کہ سفید رنگ کی شکر لینی ہے) حضرت صاحبؑ پھر اُٹھ کر سوال پورا کر دیتے۔"

(حیات بشیر صفحہ 45-46)

حضرت امّاں جانؓ آپؓ کو خاص محبت اور پیار کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اور بشیر کی بجائے بشریٰ کہہ کر پکارتی تھیں۔ کبھی کبھی 'منجھلے میاں' بھی کہا کرتی تھیں۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں آپؓ کو حضرت امّاں جانؓ سے بے حد محبت تھی۔ روز آکر بیٹھنے کے علاوہ مسجد میں جاتے آتے بھی خیریت پوچھ کر جاتے۔ اپنے دل کا ہر درد دکھ امّاں جانؓ سے بیان کرتے اور اُن کی دعا، پیار و محبت کی تسلی سے تسکین پاتے۔ جب آمدنی کم اور گزارہ اپنا بھی مشکل ہوتا تھا تو بھی ہر ماہ کچھ رقم حضرت امّاں جانؓ کے ہاتھ میں ادب اور خاموشی سے دے دیتے۔ انہیں ضرورت تو نہیں تھی لیکن آپؓ کی محبت میں رکھ لیتیں۔

سامعین! 12 ستمبر 1902ء کو آپؓ کا نکاح حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوریؓ کی صاحبزادی محترمہ سرور سلطان صاحبہ سے ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا گیا۔ خطبہ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد کھجوریں تقسیم کی گئیں۔

مئی 1906ء میں آپؓ کی شادی کی تقریب عمل میں آئی آپؓ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ، حضرت مصلح موعودؓ اور دیگر احباب کے ساتھ قادیان سے 10ء مئی 1906ء کو پشاور روانہ ہوئے اور 16ء مئی کو واپس قادیان پہنچ گئے۔

(حیات بشیر از مکرم عبد القادر سابق سوداگر مل صفحہ 51 اور 54)

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ کی عمر تیرہ سال تھی جب آپؓ کی پہلی صاحبزادی امۃ السلام صاحبہؓ پیدا ہوئیں۔ آپؓ کو خدا تعالیٰ نے کُل گیارہ بچے عطا فرمائے جن میں سے دو صغر سنی میں فوت ہوگئے۔ آپؓ کے صاحبزادے مرزا مظفر احمد صاحب ذکر کرتے ہیں کہ آپؓ کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو بنی نوع انسان کی ہمدردی تھا۔ میں نے آپ جیسا شفیق انسان اور کوئی نہیں دیکھا۔ ہر آن اسی کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں کے کام آسکیں۔ آپ کا دروازہ ہر دردمند کے لئے کھلا رہتا تھا۔ لوگوں کی تکالیف اور ان کی پریشانیوں کے بیان کو بڑے تحمل سے سنتے تھے اور اپنی طاقت اور موقع کے مطابق امداد فرماتے تھے۔ کسی کو اس کے بچوں کے تعلیم کے لئے مشورہ دے رہے ہیں کسی کو ملازمت کے لئے۔ کسی کو علاج معالجہ کے لئے۔ کسی کو مقدمات کی پریشانی کے بارے میں۔ کسی کو کاروبار اور تجارت میں۔ کسی کو رشتہ کے بارے میں۔ ہر ضرورت مند آپ کے پاس آتا تھا اور آپ بڑے اطمینان سے اس کی بات سنتے اور اس کی حتی المقدور امداد فرماتے تھے۔ غرباء کی طرف بالخصوص توجہ دیتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ایسے مواقع کوشش سے ڈھونڈتے تھے کہ میں کسی طور سے لوگوں کے بوجھ ہلکے کرسکوں اور ان کی پریشانیوں میں ایک گھر کا فرد ہو کر شامل ہوسکوں۔

ہم بہن بھائیوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ اولاد کا احترام کرتے تھے اور جب کبھی ہم باہر سے جلسہ وغیرہ اور دوسرے مواقع پر گھر جاتے تھے تو ہر ایک کے لئے بہت اہتمام فرماتے تھے۔ خود تسلی کرتے تھے کہ سونے والے کمرہ میں بستر وغیرہ ہر چیز موجود ہے۔ غسل خانے میں پانی صابن تولیہ موجود ہے۔ یوں احساس ہوتا تھا جیسا کسی برات کا اہتمام ہو رہا ہے اور ہمیں شرم آتی تھی لیکن خود ذوقاً یہ اہتمام فرماتے تھے۔ ہم واپس چلے جاتے تو کمرے میں آکر دیکھتے کہ کوئی چیز بھول کر چھوڑ تو نہیں گئے۔ اگر کچھ ہوتا تو اسے حفاظت سے رکھوا دیتے اور ہمیں اطلاع ضرور دیتے کہ فلاں چیز تم یہاں چھوڑ گئے ہو۔ میں نے رکھوا لی ہے۔ پھر آؤ تو یاد سے لے لینا۔ ہمیں جب بھی نصیحت فرماتے تو اس میں اس بات کو ملحوظ رکھتے کہ سُبکی کا پہلو نہ ہو۔ فرمایا کرتے تھا کہ اگر نصیحت ایسے رنگ میں کی جاوے کہ دوسرے کی خفت ہو تو وہ ٹھیک اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ بعض دفعہ الٹا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں میرا وہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کا تھا۔ میں انہیں نصیحت کرتا رہتا ہوں لیکن دراصل سہارا خدا کی ذات ہے جس کے آگے دعا گو رہتا ہوں کہ انہیں اپنی رضا پر چلنے کی توفیق دے اور دین کا خادم بنادے۔

(حیات بشیر صفحہ 222-223)

سامعین کرام! آپؓ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرتے تھے۔ آپؓ کی کتب مولوی فخر الدین صاحب ملتانی شائع کرتے تھے۔ آپؓ نے کبھی کسی تصنیف کے بدلہ میں ان سے کسی رنگ میں کچھ نہیں لیا۔ حتیٰ کہ اپنی تصنیف کردہ کتاب کا نسخہ بھی قیمتاً خریدتے۔ وہ اصرار کرتے کہ اپنی تصنیف کا کم از کم ایک نسخہ تو ہدیۃً لے لیا کریں۔ مگر آپؓ ہمیشہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے کہ یہ بھی ایک گونہ معاوضہ ہے اور مَیں اس معاملہ میں اپنے ثواب کو مکدّر نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رَضِیَ اللہ عنہ سے بھی بے حد محبت کرتے تھے اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا۔ دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضور کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حضور کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ حضور کا سلوک بھی آپ سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جانی ہوتی تھیں۔ ان کے مسودات آپ کو بھی دکھاتے تھے اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر آپ کے سپرد کرتے تھے اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام حسب منشاء اور خوش اسلوبی سے ہو جائیگا۔

آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے انتظامی قابلیت بہت دے رکھی تھی اور ہر انتظامی معاملہ میں بڑی تفصیل میں جاتے تھے اور اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ موٹی موٹی باتیں تو ذہن میں آ ہی جاتی ہیں لیکن انتظامی ناکامی چھوٹی باتوں کی طرف سے غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ معاملہ کے بہت صاف تھے ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھتے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ خود کرتے اور نہ دوسرے کی طرف سے پسند فرماتے۔ قرض سے بہت بچتے تھے۔ خود تنگی برداشت کر لیتے لیکن قرض سے حتی الوسع گریز کرتے اور اگر کبھی ناگزیر ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں کمال باقاعدگی سے کام لیتے۔ طبیعت کا یہ خاصہ صرف مالی لین دین تک محدود نہ تھا بلکہ ہر شعبہ میں نمایاں ہوتا۔ سیدھی بات کو پسند فرماتے اور پیچدار بات سے بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

سامعین! صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عشق تھا۔ محترم مرزا مظفر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ آپؓ گھر کی مجالس میں احادیث، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے حالات اکثر بیان فرماتے رہتے تھے۔ میرے اپنے تجربے میں یہ ذکر سینکڑوں مرتبہ کیا ہو گا۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایک مرتبہ بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت مسیح موعودؑ کے ذکر پر آپؓ کی آنکھیں آبدیدہ نہ ہوئی ہوں۔ بڑی محبت اور سوز سے یہ باتیں بیان فرماتے تھے اور پھر ان کی روشنی میں کوئی نصیحت کرتے تھے۔

مکرم مختار احمد صاحب ہاشمی جو کہ ہیڈ کلرک دفتر خدمت درویشاں تھے کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے ایک مسودہ املاء کرایا تو اس میں مَیں نے جلدی میں صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے 'صلعم' لکھ دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ 'صلعم' لکھنا ناپسندیدہ ہے، جب اتنی طویل و عریض عبارتیں لکھی جاسکتی ہیں تو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ہی تخفیف کا خیال کیوں آجاتا ہے۔ پھر اپنی قلم سے " صلی اللہ علیہ وسلم " لکھ دیا اور مزید فرمایا کہ مجھے انگریزی میں محمدؐ کا مخفف MOHD لکھا ہوا دیکھ کر ہمیشہ ہی رنج پہنچا ہے، نامعلوم کس نے یہ مکروہ ایجاد کی ہے۔

سامعین! جب 22 ستمبر 1947ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ قادیان سے لاہور پہنچے تو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے 'حفاظتِ مرکز' کے نام سے درویشانِ قادیان کے لیے ایک صیغہ قائم فرمایا جس کا ناظر آپؓ کو مقرر فرمایا۔ درویشان قادیان اور ان کے متعلقین کے لیے اس قدر شفقت آپؓ کے دل میں تھی کہ سخت تکلیف اور شدید مصروفیت میں بھی اگر کوئی درویش ملنا چاہتا تو فوراً باہر تشریف لے آتے اور اگر اٹھ کر باہر جانے کی طاقت نہ ہوتی تو اسے اندر بلا لیتے اور ہر ممکن اعزاز فرماتے۔ اس کی باتوں کو غور سے سنتے، حالات دریافت فرماتے اور اصرار کرتے کہ کوئی کام ہو یا ضرورت ہو تو بے تکلّف کہیں۔ آپؓ چونکہ درویشان کی عظیم قربانی سے باخبر تھے اس لیے اُن کے بچوں کے حالات سے بھی باخبر رہتے اور ان سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے۔

سامعین! حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی علمی خدمات بھی مثالی ہیں۔ آپؓ کو علم حدیث اور تاریخ اسلام سے فطری تعلق تھا۔ کتاب "سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" میں آپؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا غیر معمولی اظہار کیا ہے۔ غیروں کی طرف سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کردار کشی کی ہر کوشش کا ردّ فرمانے کے علاوہ کئی علمی مسائل مثلاً جمع و ترتیب قرآن کریم، معجزہ کی حقیقت، جہاد بالسیف، غیر مسلموں سے رواداری، جزیہ، غلامی، عورتوں کے حقوق، تعدّدِ ازواج، شادی اور طلاق کے متعلق اسلامی قوانین اور اسلام کی عادلانہ جمہوری طرز حکومت پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

کتاب "سیرت المہدیؑ" کے تین حصے آپؓ کی زندگی میں شائع ہوئے۔ آپؓ کا ارادہ تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی ایک مفصل سوانح عمری لکھیں گے۔ آپؓ نے اسی ارادہ کے ماتحت ذکرِ حبیب پر متعدد تقاریر فرمائیں جو سیرت طیبہ، درِّ منثور، دُرِّ مکنون اور آئینہ جمال کے نام سے شائع ہوئیں۔

"سلسلہ احمدیہ" بھی آپؓ کی یادگار تالیف ہے۔ دیگر کتب میں کلمۃ الفصل، تصدیق المسیح، الحجۃ البالغ، ہمارا خدا، تبلیغ ہدایت، ختم نبوت کی حقیقت، چالیس جواہر پارے وغیرہ شامل ہیں۔ آپؓ کی ہر تالیف یا مضمون کو اپنے موضوع کے اعتبار سے مشعل راہ کی حیثیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ آپؓ کی خدمات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ افسوس کہ وقت کم ہے۔ آپؓ نے ہوش سنبھالتے ہی خدمت دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے آپؓ کو صدر انجمن احمدیہ کی مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا۔ خلافتِ ثانیہ کے ابتدا میں آپؓ 'الفضل' کے مدیر رہے۔ رسالہ 'ریویو آف ریلیجنز' کی خدمت بھی ایک عرصہ تک آپؓ کے سپرد رہی۔ مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر، کئی صیغوں کے سالہا سال تک نگران نیز ناظر اعلیٰ بھی رہے۔ انگریزی ترجمۃ القرآن کے کام میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایات کے تحت شاندار خدمات انجام دیں۔ حضورؓ نے 31 اگست 1947ء کو قادیان سے ہجرت کرتے وقت آپؓ کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔ پاکستان آنے کے بعد حفاظتِ مرکز کا اہم شعبہ آپؓ کے سپرد ہوا۔ حضورؓ کی بیماری کے ایّام میں آپؓ نگران بورڈ کے صدر بھی رہے۔ مشکلات اور مصائب کے اندر آپ کے علمی اور عملی جوہر اَور زیادہ روشن ہو جاتے تھے اور جس مجلس میں آپ موجود ہوں آپ کے رفقائے کار کو یقین اور اطمینان ہوتا تھا کہ پیش آمدہ مشکل پر ان شاء اللہ قابو پا لیا جائے گا۔

آپ قرآن و حدیث کے متبحر عالم تھے اور زبان عربی، انگریزی اور اردو پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ تحریر ہو یا تقریر، کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے جو رکیک یا دلآزار ہو اور میانہ روی کے خلاف ہو۔ آپؓ کے ساتھ کام کرنے والے گواہ ہیں کہ بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی آپؓ کام کو جاری رکھتے اور ہمارے یہ عرض کرنے پر کہ آپ کمزور ہیں یا آپ کو بخار ہے آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ آپؓ اس بات کو قبول نہ فرماتے اور کام کو اٹھا نہ رکھتے بلکہ اسے ختم کرکے ہی اٹھتے۔ اختلاف رائے کو

خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے اور اس کی قدر کرتے اور ہر ایک رائے سے عمدہ حصہ لے کر تمام آراء کو ہموار کرتے۔ آپؓ کی محبت، حکمت اور دانائی سے نفسیاتی اثرات پیدا ہوتے تھے جس سے آپؓ کے ساتھیوں میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ کام کرنا اور مشقت اٹھانا راحت ہے۔

سامعین! اس عظیم ہستی کی وفات کے بارے میں آپؓ کے صاحبزادے مرزا مظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ چند ماہ سے آپؓ کو متعدد منذر خوابیں اپنی وفات کے متعلق آرہی تھیں۔ اس کا پہلا اشارہ مجھے مئی میں کیا جب مَیں عید کے بعد واپس راولپنڈی کے لیے رخصت ہو رہا تھا۔ پھر 24ء اگست کے قریب لاہور گیا تو فرمانے لگے: ''اب تو چل چلاؤ ہی ہے۔'' بہر حال آپؓ کی طبیعت پر یہ گمان غالب تھا کہ آپؓ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ چنانچہ جون میں ربوہ سے لاہور روانگی کے وقت اپنی تجہیز و تکفین کے لیے علیحدہ رقم گھر میں دے دی۔ پھر لاہور سے مزید رقم یہ کہہ کر ارسال کی کہ میری وفات پر دوست آئیں گے، گھر کے عام خرچ سے زیادہ اخراجات ان دنوں ہوں گے اس لیے بھجوا رہا ہوں۔ مجھ سے آخری ملاقات غنودگی سے پہلے 30/31 اگست کو ہوئی 2.... ستمبر 1963ء کو چھاتی کے ایکسرے اور خون کے ٹیسٹ سے نمونیہ اور پھیپھڑوں کی انفیکشن کی تصدیق ہوئی۔ باوجود تمام کوششوں کے سانس کی تکلیف اور غنودگی بڑھتی گئی۔ اور اُسی روز جبکہ بہت سے احباب کوٹھی 23 ریس کورس کے احاطہ میں نماز مغرب ادا کر رہے تھے کہ آپؓ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور چند منٹ میں وفات ہوگئی۔ آپؓ کا جسد خاکی اسی رات ربوہ لایا گیا۔ ریڈیو پر آپؓ کی وفات کی خبر نشر ہوتے ہی احباب جماعت بڑی تعداد میں ربوہ پہنچنا شروع ہوگئے۔ ساڑھے پانچ بجے جنازہ آپؓ کی کوٹھی ''البشریٰ'' سے اُٹھایا گیا اور بہشتی مقبرہ کے احاطے میں حضورؓ کے ارشاد کے ماتحت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر تیار ہونے پر پُر سوز دعا کرائی۔

محترم مرزا مظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ذاتی دعاؤں میں اباجان دو باتوں کے لیے بہت دعا کیا کرتے تھے۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے اور دوم انجام بخیر ہو۔ اس آخری امر کے لیے بہت تڑپ رکھتے تھے۔ مجھے کئی بار فرمایا کہ ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا مورد ہو جاتی ہے اور جہنم کے گڑھے کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ ایک دوسرا انسان ساری عمر بد اعمال میں گزارتا ہے لیکن آخر میں ایسا کام کر جاتا ہے جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو جاتا ہے۔ سو اصل چیز انجام بخیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی دعائیں قبول فرمائیں اور آپؓ کا انجام بخیر ہوا اور آپؓ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اے میرے دل کے پیارے اے مہرباں ہمارے
کر انکے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے
یہ فضل کر کہ ہوویں نیکو گہر یہ سارے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے میری جاں کے جانی اے شاہ دو جہانی
کر ایسی مہربانی ان کا نہ ہووے ثانی
دے بخت جاودانی اور فیض آسمانی
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

(کمپوز ڈبائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞